Fikr-o-Nasar (Islamabad) 35:1 (1997)

قرآن و سنت میں باہمی تعلق

چند اہم مباحث

ڈاکٹر محمد امین☆

منہاج ہدایت میں سنت کا مقام

قرآن و سنت میں باہمی تعلق کو سمجھنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ ہم اس منہاج کو سمجھیں جو اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کی رہنمائی کے لئے اختیار فرمایا ہے اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انسانوں ہی میں سے ایک انسان کو لوگوں کی رہنمائی اور ہدایت کے لئے منتخب فرماتا ہے۔ پھر اس پیغمبر کے پاس اپنی کتاب بھجواتا ہے اور دیگر طریقوں سے بھی اس کی رہنمائی فرماتا ہے۔ اسے ایسی حکمت اور عقل و دانش عطا فرماتا ہے کہ وہ اللہ کے احکام لوگوں تک پہنچا سکے' حسب ضرورت ان کی وضاحت کر سکے اور ان احکام پر عمل کر کے لوگوں کے سامنے عملی نمونہ پیش کر سکے تاکہ لوگوں کے لئے اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کرنا آسان ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ پیغمبر کے ان تمام اعمال اور سرگرمیوں میں اس کے ہر قول و فعل کے صحیح اور برحق ہونے کی ذمہ داری لیتا ہے تاکہ پیغمبر کی مخاطب امت اس یقین و اطمینان کے ساتھ اس کی پیروی کر سکے کہ پیغمبر جو کچھ کہتا اور کرتا ہے وہ ہر حالت میں صحیح اور اللہ تعالیٰ کی منظوری کا حامل ہے اور وہ کبھی کوئی بات اپنی خواہش اور مرضی سے نہیں کہتا(۱)

مندرجہ بالا مختصر بیان سے واضح ہو جاتا ہے کہ اگرچہ لوگوں کی ہدایت کے لئے اللہ کی کتاب کی اہمیت مسلم ہے تاہم صرف کتاب لوگوں کی ہدایت کے لئے کافی نہیں ہو سکتی۔ اگر خالی کتاب لوگوں کی ہدایت کے لئے کافی ہوتی تو اللہ تعالیٰ کے لئے یہ کون سا مشکل کام تھا کہ وہ ہر آدمی کے پاس کتاب بھجوا دیتا اور یوں لوگوں پر اتمام حجت ہو جاتا لیکن اللہ تعالیٰ جو انسان کے خالق ہیں وہ اس کی ضروریات کو بہرطور دوسروں سے بہتر سمجھتے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ انتظام فرمایا کہ پہلے پیغمبر کو بھیجا اور پھر اس پر کتاب نازل فرمائی۔ ہدایت کے اس منہاج میں پیغمبر کی اہمیت کے بنیادی ہونے کے چار پہلو ہیں۔ ایک تو یہ کہ پیغمبر اللہ کی کتاب کے مندرجات لوگوں تک پہنچاتا

☆ اردو دائرہ معارف اسلامیہ' جامعہ پنجاب' لاہور

© Dr Muhammad Hamidullah Library, IIU, Islamabad. http://iri.iiu.edu.pk/

ہے اور اس طرح ذات الٰہی کے ادراک و عرفان اور اس کی کتاب کے ابلاغ کا سبب بنتا ہے۔ دوم یہ کہ کوئی کتاب خواہ کتنی ہی ضخیم کیوں نہ ہو بہرحال اتنی مفصل نہیں ہو سکتی کہ عملی زندگی کی ہر چھوٹی بڑی بات وضاحت سے اس میں بیان ہو سکے اس لئے پیغمبر کی ضرورت پڑتی ہے کہ وہ ہر چھوٹے بڑے معاملے میں لوگوں کی رہنمائی کر سکے۔ سوم یہ کہ اس غرض کے لئے اللہ تعالیٰ کتاب کے علاوہ بھی وحی بھیج کر پیغمبر کی رہنمائی فرماتا ہے اور اسے ایسی حکمت و دانش بھی عطا فرماتا ہے کہ وہ کتاب کے اصولی احکام سے اخذ و استنباط کر سکے اور وہ تفصیلی احکام بتا سکے جو کتاب میں مذکور نہیں ہیں۔ ہدایت کے منہاج میں پیغمبر کے کردار کی چوتھی صورت یہ ہے کہ وہ لوگوں کے لئے عملی نمونہ پیش کرتا ہے تاکہ لوگ آنکھوں سے دیکھ سکیں کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق زندگی کیسے گزاری جا سکتی ہے کیونکہ انسانی زندگی اتنی عملی مشکلات کی حامل اور پیچیدہ ہے کہ محض لکھی ہوئی محدود ہدایات اس کے لئے کافی نہیں ہو سکتیں۔ چنانچہ انہی اسباب کی بناء پر اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کی ہدایت کے لئے یہ طریقہ اختیار فرمایا ہے کہ وہ لوگوں کی رہنمائی کے لئے پہلے پیغمبر بھجواتا ہے اور پھر لوگوں سے یہ مطالبہ کرتا ہے کہ اس پیغمبر کا کہا مانو' اس کے بتائے ہوئے راستے پر چلو تو پھر ہی تمہیں ہدایت اور میری خوشنودی حاصل ہو گی(۲)۔

گویا انسانوں کی ہدایت اس امر پر موقوف ہے کہ وہ رسول کو مانیں' اس پر نازل ہونے والی کتاب کو مانیں' پیغمبر اس کتاب کی جو تشریح کرتا ہے اس کو مانیں اور اس کے علاوہ بھی جو حکم دے اس کو مانیں اور بلاچون و چرا اللہ کے رسول کی اطاعت کریں گویا پیغمبر کتاب کا مبلغ بھی ہے اور مبین بھی۔ نیز وہ شارع بھی ہے اور مطاع بھی اور اس کی یہ چاروں حیثیتیں تفصیل کے ساتھ قرآن حکیم میں مذکور ہیں :

یا ایھاالرسول بلـغ ما انزل الیک من ربک ......

(المائدہ ۵ : ۶۷)

اے پیغمبر! جو کچھ تمہارے رب کی طرف سے تم پر نازل کیا گیا ہے وہ لوگوں تک پہنچا دو۔

لقد من اللہ علی المومنین اذ بعث فیھم رسولاً من انفسھم یتلوا علیھم آیاتہ.....

(آل عمران' ۳ : ۱۶۴)

اللہ نے اہل ایمان پر یہ احسان کیا ہے کہ ان کے درمیان خود انہی میں سے ایک پیغمبر اٹھایا ہے جو اللہ کی آیات انہیں سناتا ہے۔

رسول بحیثیت مبین

وانزلنا الیک الذکر لتبین للناس مانزل الیھم و لعلھم یتفکرون

(النحل' ۱۶ : ۴۴)

ہم نے یہ ذکر تم پر نازل کیا ہے تاکہ تم لوگوں کے سامنے اس تعلیم کی تشریح و توضیح کرو جو ان کے لئے اتاری گئی ہے تاکہ وہ غور و فکر کریں۔

ھو الذی بعث فی الامیین رسولا منھم یتلوا علیھم ایتہ و یزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ

(الجمعہ' ۶۲ : ۲)

وہی ہے جس نے امیوں کے اندر ایک رسول خود انہی میں سے اٹھایا جو انہیں اس کی آیات سناتا ہے' ان کی زندگی سنوارتا ہے اور ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔

انا انزلنا الیک الکتاب بالحق لتحکم بین الناس بما ارک اللہ ولا تکن للخائنین خصیما

(النساء ۴ : ۱۰۵)

ہم نے یہ کتاب حق کے ساتھ تمہاری طرف نازل کی ہے تاکہ جو راہ راست اللہ نے تمہیں دکھائی ہے اس کے مطابق لوگوں کے درمیان فیصلے کرو۔ تم بد دیانت لوگوں کی طرف سے جھگڑنے والے نہ بنو۔

رسول بحیثیت شارع

......یامرھم بالمعروف وینھھم عن المنکر ویحل لھم الطیبات و یحرم علیھم الخبائث و یضع عنھم اصرھم والاغلٰل التی کانت علیھم.....

(الاعراف' ۷ : ۱۵۷)

یہ (پیغمبر) انہیں نیکی کا حکم دیتا ہے' بدی سے روکتا ہے' ان کے لئے پاک

چیزیں حلال اور ناپاک چیزیں حرام کرتا ہے اور ان پر سے وہ بوجھ اتارتا ہے جو ان پر لدے ہوئے تھے اور وہ بندشیں کھولتا ہے جن میں وہ جکڑے ہوئے تھے۔

.....وما اتاکم الرسول فخذوہ ومانھاکم عنہ فانتھوا.....

(الحشر' ۵۹ : ۷)

اور جو کچھ رسول تمہیں دے وہ لے لو اور جس چیز سے وہ تم کو روک دے اس سے رک جاؤ۔

رسول بحیثیت مطاع

یاایھاالذین آمنوا اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول ولا تبطلوا اعمالکم

(محمد' ۴۷ : ۳۳)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تم اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور (ان کی نافرمانی کرکے) اپنے اعمال کو برباد نہ کرلو۔

فلا و ربک لا یومنون حتی یحکموک فیما شجر بینھم ثم لایجدوا فی انفسھم حرجا مما قضیت و یسلموا تسلیما

(النساء' ۴ : ۶۵)

تمہارے رب کی قسم! یہ کبھی مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ اپنے باہمی اختلافات میں یہ تم کو فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں۔ پھر جو کچھ تم فیصلہ کرو اس پر اپنے دلوں میں بھی کبھی کوئی تنگی نہ محسوس کریں بلکہ سربہ سر تسلیم کرلیں۔

وما کان لمومن ولا مومنۃ اذا قضی اللہ ورسولہ امرا ان یکون لھم الخیرۃ من امرھم ومن یعص اللہ و رسولہ فقد ضل ضللا مبینا

(الاحزاب' ۳۳ : ۳۶)

کسی مومن مرد اور عورت کو یہ حق نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی معاملے کا فیصلہ کردے تو پھر اسے اپنے معاملے میں خود فیصلہ کرنا کا اختیار حاصل رہے اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے تو وہ

صریح گمراہی میں پڑ گیا۔

اب آیئے دیکھیں کہ صحابہ کرامؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ان قرآنی احکام پر کس طرح عمل کرتے تھے۔ اس سلسلے میں پہلی بات تو یہ ہے کہ وہ حضورؐ کے ہر حکم کو وحی پر مبنی سمجھتے تھے۔ قرآن بھی چونکہ لسان رسالت مآبؐ پر جاری ہوتا تھا اس لئے اس کی وضاحت آپ خود فرما دیتے تھے کہ یہ اللہ کی کتاب کا حکم ہے اسے الگ لکھ لیا جائے۔ ورنہ اطاعت کے حوالے سے صحابہ کرامؓ نے کبھی اس میں تمیز نہیں کی کہ آپؐ جو حکم دے رہے ہیں وہ قرآن کا حکم ہے یا وحی غیر متلو یا آپؐ کے اجتہاد پر مبنی ہے وہ آپؐ کے ہر حکم پر عمل کرنا ایمان کا بنیادی تقاضا سمجھتے تھے۔ یہاں تک کہ آپؐ نے جب مدینہ آنے کے بعد انصار کو کھجوروں کو پیوند لگاتے دیکھا تو اس پر تعجب کا اظہار کیا کہ ایسا کیوں کرتے ہو؟ انہوں نے پیوند لگانا چھوڑ دیا تو فصل کمزور ہوئی۔ معاملہ آپؐ کے علم میں آیا تو آپؐ نے فرمایا کہ اگر میں کسی دینی معاملے میں، اللہ کی رہنمائی سے کوئی بات کہوں تو مانو، ورنہ یہ دنیوی امور تم خود بہتر سمجھ سکتے ہو(۳)۔ حضرت حباب بن منذرؓ نے جنگ بدر میں لشکر کے پڑاؤ کے مسئلے پر بات کرنے سے پہلے پوچھا کہ کیا یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے یا آپ کا ذاتی انتظامی فیصلہ ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ یہ میری ذاتی رائے ہے تو انہوں نے عرض کیا کہ جنگی حکمت عملی کی رو سے فلاں جگہ پڑاؤ کے لئے زیادہ موزوں ہے تو آپؐ نے ان کی رائے قبول فرمائی(۴)۔ حضرت بریرةؓ کے واقعہ میں(۵) اور جنگ خندق کے موقع پر انصاری سرداروں نے بھی یہی طرز عمل اختیار فرمایا(۶)۔ صحابہ کرامؓ کی اطاعت رسول کی تو یہ کیفیت تھی کہ حضورؐ نے سونے کی انگوٹھی اتار پھینکی تو صحابہ نے بھی انگوٹھیاں اتار کر پھینک دیں(۷)۔ حضورؐ نے نماز کے دوران جوتے اتارے تو سب نے اتار دیئے(۸)۔ تحویل قبلہ کے موقع پر نماز پڑھتے ہوئے حضورؐ نے رخ پھیرا تو بغیر وجہ جانے اور پوچھے سب صحابہ نے رخ پھیر لیا(۹)۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے جسم گدوانے والی عورتوں پر لعنت بھیجتے ہوئے کہا کہ یہ قرآن کا حکم ہے۔ ایک عورت نے کہا قرآن ہم بھی پڑھتی ہیں اس میں تو نہیں ہے۔ انہوں نے کہا رسول اللہؐ نے فرمایا ہے تو گویا قرآن ہی کا فرمان ہے۔ کیا تم نے قرآن میں نہیں پڑھا کہ وما اتاکم الرسول فخذوہ و مانھاکم عنہ فانتھوا (الحشر ۵۹ : ۷)(۱۰)۔

یہ تو حضورؐ کی زندگی میں تھا اب حضورؐ کے اس دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد مسلمانوں کے لئے ہدایت کا راستہ یہ ہے کہ وہ ہر معاملے میں کتاب اللہ اور آپؐ کی سنت کی

طرف رجوع کریں کیونکہ اب آپؐ کے قول، فعل اور تقریر کی اطاعت ہی سے آپؐ کی اطاعت ہو سکتی ہے جو حکم خداوندی بھی ہے اور ہدایت کا ذریعہ بھی۔ چنانچہ امت اس امر پر متفق ہے کہ دین اسلام کے ماخذ دو ہی ہیں۔ ایک اللہ کی کتاب اور دوسرے رسولؐ کی سنت۔ حضورؐ کی سنت کے حجت و سند ہونے سے اگر کسی نے کبھی انحراف کی کوشش کی ہے تو جمہورامت نے ہمیشہ اسے ضلالت و گمراہی سمجھا ہے۔ ہاں، اہل علم کے درمیان اس امر میں بعض اوقات اختلاف ہوا ہے کہ کوئی مخصوص قول یا فعل جو حضورؐ سے منسوب کیا جا رہا ہے آیا حضورؐ سے اس کا انتساب صحیح بھی ہے یا نہیں؟ یا یہ کہ جو بات حضورؐ نے فرمائی ہے وہ بحیثیت پیغمبر دائمی تشریعی نوعیت کی ہے یا کسی عارضی اور مقامی نوعیت کے مسئلے میں آپؐ نے بطور حاکم و منتظم یا بحیثیت جج وہ بات ارشاد فرمائی تھی لیکن اس طرح کا اختلاف اہل علم میں کبھی مذموم نہیں رہا اور علماء ان امور میں آزادانہ دلائل دیتے اور ایک دوسرے سے اختلاف کرتے رہے ہیں لیکن اس کے ساتھ ہی امت اس بات پر بھی متفق رہی ہے اور آج بھی ہے کہ کوئی مسلمان بقائمی ہوش و حواس اور بقائمی ایمان یہ جسارت نہیں کر سکتا کہ اس کے علم میں یہ بات آئے کہ حضورؐ نے فلاں حکم دیا ہے اور وہ یہ کہے کہ میں اسے نہیں مانتا یا اس پر عمل نہیں کروں گا۔ یا کوئی یہ کہے کہ حضورؐ کا کام محض قرآن پہنچا دینا تھا اور اب ہم آزاد ہیں کہ (حضورؐ کی سنت سے صرف نظر کرتے ہوئے) جیسے چاہیں قرآن کی تفسیر کر لیں اور جیسے چاہیں ان پر عمل کر لیں۔

تفسیر قرآن میں سنت کا مقام

قرآن و سنت کے باہمی تعلق کی ایک جہت کتاب اللہ کی تفسیر کی بھی ہے اور اس میں جو پہلو زیر بحث آ سکتے ہیں وہ یہ ہیں۔

۱۔ قرآن حکیم کی تفسیر کا صحیح طریقہ کیا ہے؟

۲۔ قرآن حکیم کی تفسیر کے حوالے سے حضورؐ کی سنت کا مقام کیا ہے؟

۳۔ حضورؐ نے قرآن کی جو تبیین فرمائی ہے اس کی حدود اور دائرہ کار کیا ہے؟

تبیین و تشریع کی حدود کہاں ختم ہوتیں اور کہاں ملتی ہیں اور ایک امتی کے مفسر قرآن اور حضورؐ کے مبین قرآن ہونے میں کیا فرق ہے؟

ہم یہاں ان امور میں جمہوریت امت کا مسلک بھی بیان کریں گے اور ان غلط فہمیوں کی طرف اشارے بھی کرتے جائیں گے جن میں بعض لوگ سوء فہم سے مبتلا ہو گئے ہیں۔

۱۔ قرآن حکیم کی تفسیر کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ اگر وہ اپنی تفسیر خود نہیں کرتا تو سب سے پہلے یہ دیکھا جائے کہ متعلقہ امر میں حضورؐ نے کیا ارشاد فرمایا ہے یا اس معاملے میں آپؐ کا عمل کیا رہا ہے؟ پھر یہ دیکھا جائے کہ صحابہ کرامؓ نے اسے کیسے سمجھا اور اس پر کیسے عمل کیا ہے؟ پھر عربی زبان کے قواعد، سلف صالح کی آراء اور جدید علوم سے حاصل کردہ معلومات کی روشنی میں قرآن حکیم کی تفسیر عصری اسلوب میں کی جائے۔ چنانچہ علوم القرآن اور اصول تفسیر پر لکھنے والے مسلم مفکرین نے یہ بات وضاحت سے کہی ہے کہ قرآن کی تفسیر میں (خود قرآن کے بعد) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہی تفسیر کا پہلا اور بنیادی مآخذ ہے۔ چنانچہ زرکشی نے برہان میں اور سیوطی نے اتقان میں کہا ہے کہ تفسیر کے بنیادی ماخذ چار ہیں۔ پہلے درجے میں سنت رسولؐ پھر اقوال صحابہؓ پھر لغوی بحثیں اور آخر میں تفسیر سے متعلق دیگر علوم اور مہارتیں(۱۱)۔ ابن تیمیہ نے یہ بات کہنے کے بعد کہ تفسیر القرآن بالقرآن کے بعد سنت ہی تفسیر کا بنیادی ماخذ ہے اور اس کے بعد اقوال صحابہ کا درجہ ہے، یہ کہا کہ جو کوئی اس طریق تفسیر کو چھوڑتا ہے اس کے غلط بلکہ بدعتی ہونے میں کوئی کلام نہیں(۱۲) اور امام راغب اصفہانی نے مقدمہ تفسیر میں کہا ہے کہ جو تفسیر کا قصد کرے اسے چاہیے کہ تقویٰ اختیار کرے اور مکائد نفس خصوصاً عجب سے بچے جو ہر فساد کی جڑ ہے اور جس کی وجہ سے آدمی یہ سمجھنے لگتا ہے کہ وہ فہم قرآن میں صحابہ سے بھی بڑھ گیا ہے (۱۳)۔ شاطبی نے بھی الموافقات میں ان لوگوں کی مذمت کی ہے جو سنت سے صرف نظر کر کے صرف لغت پر انحصار کر کے تفسیر کرتے ہیں(۱۴)۔

یہاں تفسیر القرآن بالقرآن اور تفسیر القرآن بالسنۃ کے حوالے سے ایک انتہائی اہم بات سے بعض لوگ صرف نظر کر جاتے ہیں اور وہ یہ کہ اس امر کا فیصلہ کون کرے گا کہ قرآن کی کون سی آیت کسی دوسری آیت کی تفسیر کرتی ہے؟ ظاہر ہے یہ فیصلہ مفسر ہی کرے گا اور مفسر یہ فیصلہ اپنی ذاتی رائے سے کرے گا لہٰذا ایسی تفسیر اسی صورت میں قابل قبول ہو گی جب وہ حضورؐ کی سنت کے مطابق ہو کیونکہ قرآن کو تو سنت پر اولیت حاصل ہے کسی عام مسلمان کی "تفسیر قرآن" کو نہیں۔ لہٰذا تفسیر القرآن بالقرآن کی رو سے بھی قرآن حکیم کی ایسی تفسیر قابل قبول نہیں ہو سکتی جو متعلقہ آیت کی حضورؐ کی بیان کردہ تفسیر کے خلاف ہو۔ اور یہی مفہوم ہے بعض محدثین کے اس قول کا کہ السنۃ قاضیہ علی الکتاب(۱۵) مطلب یہ کہ قران کے مفہوم و مدعا کا جو تعین سنت کرتی ہے وہ فیصلہ کن اور حتمی ہے اور کوئی مسلمان اس کے خلاف نہیں جا سکتا۔ یہی بات

ابن عبدالبر نے جامع بیان العلم میں، خطیب بغدادی نے الکفایہ میں اور شافعی نے الرسالہ میں کہی ہے(۱۶)۔ اس موقع پر اگر کوئی یہ سوال اٹھائے کہ متعلقہ روایت کا حضورؐ کی طرف استناد صحیح نہیں ہے تو یہ ایک الگ بحث ہوگی جس کا سنت کی اتھارٹی سے کوئی تعلق نہیں اور محدثین نے حدیث کی چھان پھٹک کے جو اصول و قواعد وضع کر رکھے ہیں انہیں عمل میں لایا جائے گا۔ ہم جو بات کہہ رہے ہیں وہ یہ ہے کہ اگر قابل اعتماد ذرائع سے یہ ثابت ہو جائے کہ قرآنی آیت کے مفہوم کا تعین حضورؐ نے کیا ہے تو وہ حتمی ہے اور اس کے خلاف کوئی نقطہ نظر قابل قبول نہیں ہو سکتا۔

اسی طرح بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ تفسیر قرآن کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ اس میں عربی زبان کو بنیادی اہمیت دی جائے خصوصاً" زمانہ جاہلیت کی اس کلاسیک عربی کو جو نزول قرآن کے وقت رائج تھی اور پھر یہ لوگ عربیت کو بنیاد بنا کر قرآن کی ایسی تفسیر کرتے ہیں جو سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ہوتی ہے۔ ظاہر ہے کہ تفسیر کا یہ طریقہ بھی غلط ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ کسی بھی متن کی تشریح میں لغوی بحثیں بنیادی اہمیت رکھتی ہیں اور قرآن کی تفسیر کرتے ہوئے اس عربی کی طرف رجوع ناگزیر ہے جو نزول قرآن کے وقت عربوں خصوصاً" قریش کی زبان تھی لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ عربی زبان کی اہمیت کو اس قدر بڑھا دیا جائے کہ سنت رسولؐ بھی پیچھے رہ جائے۔ جو مفسرین عربیت کی بنیاد پر کسی قرآنی آیت کی ایسی تفسیر کریں جو خلاف سنت ہو تو ان پر اعتراض بجا محسوس ہوتا ہے کہ خدانخواستہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم عربی زبان کے ماہر نہ تھے یا نعوذباللہ یہ مفسرین رسول اکرمؐ سے زیادہ عربی زبان پر دسترس رکھتے ہیں۔ اسی لئے اسلاف میں سے بعض جلیل القدر اہل علم نے کہا ہے کہ جو شخص عربیت کی بنیاد پر ایسی تفسیر کرے جو سنت رسولؐ کی تغلیط کرتی ہو وہ گویا تفسیر بالرائے کرتا ہے [جو شرعاً" سخت مذموم ہے اور جس کے فاعل کو نبی کریمؐ نے کفر، گمراہی اور جہنم کی وعید سنائی ہے](۱۷)۔ چنانچہ قرطبی اپنی تفسیر کے مقدمے میں کہتے ہیں کہ تفسیر القرآن بالرائے المذموم کے دو محل ہیں۔ ایک تو یہ کہ کوئی شخص ایک رائے رکھتا ہو اور وہ عمداً قرآنی آیات کو موڑ توڑ کر ایسی تفسیر کرے جس سے اس کی ذاتی رائے کی تائید ہوتی ہو اور دوسرے یہ کہ کوئی شخص عربیت کی بنیاد پر قرآن کی ایسی تفسیر کرے جو نقل اور سماع کے خلاف ہو(۱۸)۔ اسی رائے کا اظہار غزالی نے احیاء العلوم میں کیا ہے(۱۹) اور اسی سے ملتی جلتی بات طبری نے اپنی تفسیر میں کہی ہے(۲۰)۔ ہمارے عہد میں اسی

طرح کی تفسیروں کی مثال ان مفسرین کی تفسیریں ہیں جو صوم و صلوۃ جیسے لفظوں کے معنی بھی لغت سے کرتے ہیں(۲۱) یا جو رجم جیسی سنت ثابتہ کے بھی اس مفہوم کا انکار کرتے ہیں جو سنت سے ثابت ہے(۲۲) اور دوسرے بہت سے مسائل میں بھی اسی بناء پر جمہور امت سے مختلف رائے رکھتے ہیں۔

قرآن کی تفسیر کے حوالے سے سنت رسول کا صحیح مقام یہ ہے کہ جب کسی آیت کی تفسیر سے متعلق حضورؐ کا کوئی حکم مل جائے تو وہ حرف آخر اور حجت قطعی ہے۔ اس پر کوئی رائے زنی نہیں کی جا سکتی اور اس کے خلاف کوئی تعبیر نہیں کی جا سکتی۔ گویا سنت رسولؐ تفسیر قرآن کا اولیں اور بنیادی ماخذ ہے اور ان لوگوں کی رائے غلط ہے جو اسے دوسرے یا تیسرے درجے کا فروعی اور ظنی ماخذ سمجھتے ہیں(۲۳)۔ کیونکہ یہ بات حضورؐ کے بنیادی مقاصد بعثت میں سے ہے کہ آپؐ لوگوں تک قرآن پہنچائیں اور اس کی شرح و وضاحت کر کے لوگوں کو قرآن سمجھائیں اور سکھائیں۔ حضورؐ قرآن کی تبیین و تشریح کس طرح کرتے تھے؟ حضورؐ کے حالات اور احادیث میں تدبر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضورؐ کا طریق تبیین یہ تھا کہ آپؐ اس غرض کے لئے اس وحی سے مدد لیتے تھے جو آپؐ پر قرآن کے علاوہ بھی نازل ہوتی تھی۔ آپؐ اللہ کی دی ہوئی بصیرت و دانش سے اجتہاد بھی کرتے تھے اور اس کے علاوہ خود قرآن سے اخذ و استنباط بھی فرماتے تھے۔ حضورؐ کے یہ سارے اعمال وحی کی قوت تصویب کی موجودگی کی وجہ سے دین و شریعت کا ایک جزو اور اپنے استناد میں قطعیت رکھتے ہوئے امت کے لئے حرف آخر کی حیثیت رکھتے تھے۔ حضورؐ کے بعد اب اگر امت کا کوئی اہل علم قرآن کی تفسیر و تشریح کرنا چاہے تاکہ لوگوں کو قرآن سمجھنے اور اس پر عمل کرنے میں آسانی ہو تو اس کے ماخذ تفسیر میں سے پہلا اور بنیادی ماخذ حضورؐ کی سنت ہونی چاہیے اور دوسرے ماخذ کی باری بعد میں آئے گی کیونکہ حضورؐ نے کسی آیت کی تفسیر میں جو کچھ فرما دیا ہے وہ حجت قاطعہ ہے' وہ دین ہے' وہ دوسرے مفسرین کی آراء کی طرح محض ایک تفسیری رائے نہیں ہے لہٰذا ان لوگوں کی رائے صحیح نہیں ہے جو سنت رسولؐ کی تفسیر قرآن کا بنیادی ماخذ سمجھنے کی بجائے اسے محض ظنی یا فروعی ماخذ سمجھتے ہیں اور اسے امم سابقہ کے اخبار یا تاریخی واقعات جتنی اہمیت دیتے ہیں(۲۴)۔

تبیین کا دائرہ عمل

بعض لوگ حضورؐ کی تبیین کے دائرہ کار کی تحدید کی کوشش کرتے ہیں اور تشریع کو اس

سے الگ کرتے ہوئے یہ کہتے ہیں کہ جہاں قرآن خاموش ہو وہاں تو حضورؐ کے احکام تشریع ہیں لیکن جہاں قرآنی حکم موجود ہو وہاں حضورؐ کے احکام محض تبیین ہی تشریع نہیں ہو سکتے۔ مطلب یہ کہ حضورؐ قرآن کی کوئی ایسی تبیین نہیں کر سکتے جس سے قرآن میں بظاہر موجود حکم سے الگ اور اس پر زائد کسی نئے حکم کا اضافہ ہوتا ہو یا اس میں کمی ہوتی ہو کیونکہ یہاں اگر نئے حکم کا اضافہ یا کمی تسلیم کرلی جائے تو یہ تبیین کی بجائے تغیر و تبدل کے مترادف ہو گا جو ناقابل تصور ہے۔

اس مغالطے کے چار جواب ہیں۔ پہلا یہ کہ سوچنے کی بات یہ ہے کہ ہمیں کار رسالت کی تحدید کرنے کا اختیار کس نے دیا ہے اور ہمیں رسول پر حکم کس نے بتایا ہے کہ ہم یہ فیصلہ کرنے بیٹھیں کہ رسول یہ کر سکتا ہے اور وہ نہیں کر سکتا؟ ہمیں تو اللہ تعالیٰ نے علی الاطلاق اور بلا کسی شرط و قید کے رسولؐ کی پیروی کا حکم دیا ہے۔ چنانچہ فرمایا "وما آتاکم الرسول فخذوہ" اور فرمایا "اطیعوا اللہ و اطیعوالرسول" کہیں کوئی تحدید نہیں ہے۔ اس کے برعکس یہ بات بڑی وضاحت سے کہی کہ رسول کی مکمل اطاعت نہ کرنا گمراہی ہے(۲۴)۔ یہ نقیض ایمان ہے(۲۵)۔ یہ مبطل اعمال ہے(۲۶) وغیرہ۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ آپؐ کی زندگی میں وحی کا دروازہ کھلا تھا اور آپ کے اجتہاد کرنے کی صورت میں بھی آپؐ کی تصحیح و تصویب کے لئے بوقت ضرورت وحی نازل ہو سکتی تھی (اور کئی معاملات میں ہوئی)(۲۷) تو اس امر کا کیا امکان ہو سکتا تھا کہ آپؐ قرآن کی ایسی تبیین فرما دیں کہ قرآنی الفاظ اس کے متحمل نہ ہو سکتے ہوں یا جو منشاء الٰہی کے مطابق نہ ہو بلکہ اس امکان کی طرف اشارہ کرنا بھی ایک مسلمان کے لئے ناقابل تصور ہے کہ خدانخواستہ آپؐ نے قرآن کی کوئی ایسی تبیین کی ہو جو الفاظ و مدعائے قرآن کے خلاف ہو اور جو تبیین کی بجائے تغیر و تبدل کے زمرے میں آتی ہو۔

اگر کوئی اس کے جواب میں کہے کہ ہم ایسا قرآن اور لغت کی بنیاد پر کہتے ہیں کہ ہم اسے یہ بتانے کی کوشش کریں گے کہ قرآن ایک انسانی زبان میں اترا ہے اور لغت کے لحاظ سے ایک لفظ کے کئی مستعملات ہو سکتے ہیں لیکن ہم اس کے وہی معنی اختیار کریں گے جو پیغمبر نے بتائے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ قرآن اسی پیغمبر پر نازل ہوا تھا اور اسے ہی اللہ نے اس کا مکلف کیا تھا اور اسے اس غرض کے لئے ضروری صلاحیتیں اور وسائل مہیا کئے تھے کہ وہ اس کا صحیح مفہوم ہمیں بتائے۔ اگر یہ قرآن براہ راست ہم پر نازل ہو گیا ہوتا تو یقیناً ہم لغت کھول کر

بیٹھ جاتے اور اہل زبان کے روزمرہ اور محاورے کے ذریعے اسے سمجھنے کی کوشش کرتے لیکن یہاں تو یہ حالت ہے کہ ہم تک قرآن اس پیغمبر ہی کے ذریعہ پہنچا ہے اور بھیجنے والے نے اس کے ذریعے اسی لئے بھجوایا ہے کہ یہ پیغمبر ہمیں اس کا مفہوم و معانی بتادے اور اس پر عمل کر کے دکھا دے لہٰذا ہمارے لئے اس قرآن کو سمجھنے کا صحیح طریقہ صرف یہ ہے کہ ہم پیغمبر کی طرف رجوع کریں نہ یہ کہ قرآن اور لغت کھول کر بیٹھ جائیں اور یہ سمجھنے کی کوشش کریں کہ پیغمبر کا دائرہ تبیین کیا ہے؟

دوسرے یہ کہ تبیین و تشریع کی لفظی بحث سے باہر نکل کر دیکھنے کی اصل چیز یہ ہے کہ کیا پیغمبرؐ قرآنی نصوص کی تبیین کرتے ہوئے ایسے احکام کا اثبات نہیں کرتے جو کوئی دوسرا شخص محض لغت و اجتہاد کی بنیاد پر نہیں کر سکتا۔ اگر اس کا جواب اثبات میں ہے' اور ظاہر ہے اس کا جواب نفی میں ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ نماز' روزہ' زکوٰۃ و حج سے لے کر سیاسی و معاشی تعلیمات' عائلی وسماجی زندگی' حدود اور قصاص دیت جیسے قوانین' غرض دین کا سارا ڈھانچہ بنا ہی حضورؐ کے ایسے احکام کی وجہ سے ہے جن کے بارے میں قرآن حکیم میں تفصیلات نہیں دی گئیں اور نہ لغت کی بنیاد پر اور نہ قیاس و اجتہاد سے ان احکام کا اثبات کیا جا سکتا ہے تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے کہ ان احکام کو تبیین کہا جائے یا تشریع۔ اہم بات یہ ہے کہ ان احکام کا منبع رسولؐ کی ذات ہے اور ہمیں رسولؐ کی مطلق اور بلاچون و چرا اطاعت کا حکم دیا گیا ہے۔

تیسرے یہ کہ پیغمبر کے کار دعوت و رسالت کو مختلف خانوں میں نہیں بانٹا جا سکتا کہ کوئی یہ کہے کہ پیغمبر جب تبیین کر رہا ہوتا ہے تو اس وقت وہ تشریع نہیں کر سکتا کیونکہ پیغمبر ہر وقت پیغمبر ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپؐ نے کثرت سوال سے منع کیا(۲۸)۔ اور ایک صحابی کے یہ سوال کرنے پر کہ کیا حج ہر سال فرض ہے آپؐ ناراض ہوئے اور فرمایا کہ اگر میں اس کا جواب ہاں میں دے دیتا تو حج ہر سال فرض ہو جاتا اور پھر تم اس پر عمل نہ کر سکتے(۲۹)۔ اس واقعہ سے حضورؐ کے تبیینی اور تشریعی دائرہ عمل کو سمجھا جا سکتا ہے۔

چوتھے یہ کہ پیغمبر کی تبیین قرآن کو ایک عام امتی کی تفسیر کی طرح نہیں سمجھا جا سکتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب قرآن کی تبیین فرماتے ہیں اور اس تبیین کے نتیجے میں جو نئی اور زائد چیز سامنے آتی ہے وہ مسلمانوں کے لئے حجت اور سند ہوتی ہے کیونکہ وہ تشریع ہوتی ہے' وہ وحی کی تصویب لئے ہوئے ہوتی ہے' وہ دین اور شریعت کا ایک جزو ہوتی ہے۔ اس کے برعکس

ایک عام مفسر جب قرآن کی تفسیر کرتا ہے تو وہ محض مفسر ہوتا ہے وہ شارع نہیں ہوتا لہٰذا وہ قرآن کی تفسیر تو کر سکتا ہے لیکن ایسا کرتے ہوئے وہ دین میں کسی زائد اور نئی چیز کا اضافہ نہیں کر سکتا۔ وہ کوئی ایسی بات نہیں کہہ سکتا جو حضورؐ کی تبیین کے خلاف ہو۔ بلاشبہ وہ قرآن کی ایسی تفسیر کر سکتا ہے جو سابق مفسرین نے نہ کی ہو لیکن اگر اس کی یہ تفسیر اس تبیین کے خلاف ہو جو حضورؐ نے کی ہے تو وہ رد کر دی جائے گی کیونکہ حضورؐ کی اختیار کردہ تبیین دوسرے مفسرین کی تفسیری آراء کی طرح محض ایک تفسیری رائے نہیں ہے بلکہ مبنی بر وحی ہونے اور وحی کی قوت تصویب کی موجودگی کی بناء پر دین بن چکی ہے جب کہ ایک عام مفسر کی تفسیری رائے محض ایک رائے ہوتی ہے جو مسلمان اس کو اوفق بالقرآن والسنتہ سمجھتا ہے قبول کر لیتا ہے اور جو نہیں سمجھتا وہ رد کر دیتا ہے۔ یہ وہی فرق ہے جو ایک پیغمبر اور غیر پیغمبر میں ہوتا ہے۔

اس وقت تک کی بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ سنت رسولؐ کو یہ کہہ کر رد نہیں کیا جا سکتا کہ یہ کسی کے انفرادی اور شخصی فہم کے مطابق قرآن کے خلاف ہے یا لغت کے خلاف ہے بلکہ کسی حدیث کو قبول نہ کرنے کا صرف یہی عذر قابل قبول ہو سکتا ہے کہ عملی طور پر ثابت کیا جائے کہ یہ حدیث، حدیث رسول نہیں ہے یا حضورؐ کی طرف اس کا استناد قابل اعتماد نہیں ہے۔ اگر کوئی درایت کے اصولوں کے حوالے سے یہ کہے کہ کوئی خاص حدیث اس لئے قابل قبول نہیں ہے کہ وہ خلاف قرآن یا خلاف عقل ہے تو اس کا جواب ہم اوپر دے چکے ہیں۔ مزید یہ کہ اس بارے میں کوئی شاذ رائے قبول نہیں کی جا سکتی کیونکہ یہ دین آج کہیں سے اچانک نازل نہیں ہو گیا بلکہ چودہ سو سال سے ہمارے پاس موجود ہے۔ ان طویل صدیوں میں مختلف علاقوں اور زمانوں میں نہایت متقی اور انتہائی ذہین لوگوں نے اپنی عمریں اس دین کو سمجھنے سمجھانے، اس پر غور کرنے اور اس کی درس و تدریس میں لگائی ہیں۔ ہم اس قابل فخر علمی روایت، اس کے تسلسل اور جمہور امت کے طرز عمل سے صرف نظر کرتے ہوئے کسی ایسی شاذ رائے کو آج قبول نہیں کر سکتے جو دین کے بنیادی ماخذ کی تنقیص و تنقیص اور استخفاف پر منتج ہوتی ہو۔ بلاشبہ اسلام اجتہاد اور علمی و فکری آزادی کا علم بردار ہے لیکن علمی و فکری آزادی اور اجتہاد کا مطلب یہ نہیں ہے کہ دین کی بنیادوں کو مشکوک ٹھہرایا اور متروک قرار دیا جائے۔ سنت رسول ہمارے دین کی بنیاد ہے یہ کوئی جزوی یا فروعی مسئلہ نہیں ہے کہ اسے مشق ستم بنانا قابل قبول گردانا جائے۔

سنت اور عصر حاضر

یہاں کسی شخص یا گروہ کا نفسیاتی تجزیہ مقصود نہیں ہے لیکن یہ سوال قابل غور ضرور ہے کہ جب بھی امت مسلمہ پر ایسی فکری اور تہذیبی یلغار ہوتی ہے جس کی بنیاد وحی کی بجائے عقل پر ہو تو سنت رسولؐ ہدف کیوں بنتی ہے؟ ماضی میں یونانی مفکر کے حملے نے معتزلہ کو جنم دیا جنہوں نے ساری دینی فکر' عقائد اور اقدار کو عقل کی کسوٹی پر پرکھنا شروع کیا۔ سنت ہدف اس لئے بنتی ہے کہ وہ دین کا تفصیلی نقشہ گری کرتی ہے۔ بیرونی افکار سے مرعوب ذہن جب عقلی بنیادوں پر ردو قبول کا تیشہ چلاتا ہے یا اپنی فکر کے مطابق دینی ترجیحات کا ازسر نو تعین کرتا ہے یا عصری مسائل کا حل تجویز کرتا ہے تو سنت اس میں رکاوٹ بنتی ہے۔ اس کا بہترین حل اسے یہ نظر آتا ہے کہ قرآن کو سامنے لایا جائے کیونکہ اگر وہ خود اپنی رائے سے یا عصری حوالے سے یا عقلی تقاضوں کی دہائی دے کر سنت کو رد کرے تو کوئی اس کی بات نہیں سنے گا لہٰذا وہ قرآن کو بنیاد بنا کر پیش کرتا ہے۔ دو وجوہ سے ایک تو اس لئے کہ قرآن کا درجہ بہرحال سنت سے بڑا ہے اور اس کی عظمت اور تقدیس مسلمہ ہے اور دوسرے اس وجہ سے کہ قرآن اکثر اوقات تفصیلات سے بحث نہیں کرتا بلکہ اصولی رہنمائی دیتا ہے اور ان اصولوں کی اپنی من پسند توجیہ آسانی سے کی جا سکتی ہے اور اسے قرآنی فکر کہہ کر پیش کیا جا سکتا ہے۔ عصر حاضر میں بھی بعض افراد اور گروہوں کا رویہ ایسا ہی ہے۔

تاہم یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ سنت کے اثبات اور اس سے استناد کے حوالے سے علمی اختلاف کی گنجائش ہمیشہ موجود رہی ہے اور اب بھی ہے اور یہ ہرگز قابل مذمت نہیں لہٰذا بحث و تحقیق میں ان دونوں رویوں میں فرق ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔

حواشی

۱۔ ہدایت کا یہ پیکیج قرآن کی بے شمار آیات سے ثابت ہوتا ہے مثال کے طور پر دیکھئے البقرۃ ۲:۲۱۳' النساء ۴ : ۶۴' الانعام ۶ : ۹۰' النحل ۱۶:۳۶' بنی اسرائیل ۱۷ : ۳' الاحزاب ۳۳ :۲۱' الحاقہ ۲۴ : ۶۴' النجم ۵۳ : ۳۔

۲۔ العمران ۳ : ۳۱' الشوریٰ ۴۲ : ۵۲' اور الحشر ۵۹ :۷

۳۔ صحیح مسلم' کتاب الفضائل باب ۳۸' حدیث نمبر ۲۳۶۲ (ج ۱۵' ص ۱۷۰' طبع موستہ القرطبہ)

۴۔ ابن حجر العسقلانی' **الاصابہ فی تمییز الصحابہ**' ج ۱' ص ۳۵۲' طبع احیاء التراث العربی' بیروت

۵۔ صحیح البخاری مع فتح الباری' ج ۹' ص ۴۰۸' طبع دار النشر الکتب الاسلامیہ' لاہور (کتاب الطلاق حدیث ۵۲۸۳)

۶۔ ابن کثیر' **البدایۃ والنھایۃ**' جز ۴' ص ۱۰۶' طبع دارالدیان **للتراث**' القاہرہ' ۱۹۸۸ م' سیرۃ ابن ہشام' ج ۳' صفحہ ۷۰۷

۷۔ صحیح بخاری مع فتح الباری' ج ۱۳' ص ۲۷۴' طبع سابق (کتاب **الاعتصام بالسنۃ** حدیث نمبر ۷۲۹۸)

۸۔ سنن ابی داؤد' ج ۱' ص ۴۲۶' ۴۲۷ طبع مطبعہ دارالحدیث بیروت (کتاب الصلاۃ' حدیث نمبر ۶۵۰)

۹۔ فتح الباری' ج ۱' ص ۵۰۳' طبع سابق

۱۰۔ صحیح بخاری' ج ۷' ص ۲۱۳' طبع مکتبہ المعارف' الریاض (کتاب **اللباس باب المتنمصات**

۱۱۔ السیوطی' **الاتقان فی علوم القرآن**' ج ۳' ص ۲۰۷' طبع طہران

۱۲۔ ابن تیمیہ' **مقدمہ اصول التفسیر** ص ۲۸۔۳۱' طبع المکیہ العلمیہ' لاہور

۱۳۔ راغب اصفہانی' **مقدمہ التفسیر**' ص ۴۰۶' طبع نور محمد اصح المطابع' کراچی

۱۴۔ الشاطبی' **الموافقات**' ج ۴' ص ۲۰' دارالمعرفہ للطباعہ والنشر' بیروت

۱۵۔ سنن دارمی' ج ۱' ص ۱۴۵' مطبع الاعتدال بدمشق ۱۳۴۹ھ

۱۶۔ ابن عبدالبر' **جامع بیان العلم**' ج ۲' ص ۱۹۱' ادارہ الطباعۃ المنیریہ۔

اس حوالے سے بعض جلیل القدر علماء نے یہ تصریح کی ہے کہ قرآن متن ہے اور سنت اس کی شرح اور ظاہر ہے تعین معنی ہیں متن شرح کا محتاج ہوتا ہے نہ کہ شرح متن کی واللفظ "**القرآن احوج الی السنۃ من السنۃ الی القرآن**" اور یہ کہ متن کو شرح کی ضرورت ہو تو شرح ہی حتمی ہوتی ہے نہ کہ متن واللفظ : (خطیب بغدادی' **الکفایتہ فی علم الروایہ**' ص ۱۶' طبع حیدر آباد' ۱۳۵۷ھ۔

"**السنہ قاضیۃ علی الکتاب و لیس الکتاب قاضیا علی السنۃ**"

اور یہ کہ انہی معنوں میں قرآن کا نسخ سنت سے جائز ہے اور سنت کا نسخ قرآن سے جائز نہیں (بعد والی وحی ہونے کی وجہ سے)

(الشافعی، الرسالہ، ص ۱۰۰، تحقیق احمد شاکر، طبع مصطفیٰ لبابی، الحلبی مصر)

۱۷۔ سنن ترمذی، ابواب تفسیر القرآن، حدیث نمبر ۴۰۲۲ (ج ۴، ص ۲۶۸، طبع المکتبہ السلفیہ بالمدینہ المنورہ، ۱۹۶۴م

۱۸۔ القرطبی، الجامع لاحکام القرآن، ج ۱، ص ۳۱۔۳۴ دار الکاتب العربی للطباعہ والنشر، ۱۹۶۷م

۱۹۔ غزالی، احیاء علوم الدین، ص ۳۰۰، طبع مصطفیٰ البابی الحلبی عصر، ۱۹۳۹م

۲۰۔ ابن جریر الطبری، جامع البیان عن تاویل ای القرآن فی تفسیر آیہ۴۹، سورہ یوسف، جزء ۱۲، طبع مصطفیٰ البابی، الحلبی واولادہ ۔مصر، ۱۹۵۴ء

۲۱۔ پرویز، لغات القرآن، ج ۳، ص ۱۰۳۴، ادارہ طلوع اسلام، ۱۹۴۱م

۲۲۔ امین احسن اصلاحی، تدبر قرآن، ج ۴، ص ۵۰۱، و بعد، طبع مرکزی انجمن خدام القرآن، لاہور، ۱۹۷۶ء

جاوید احمد غامدی، میزان، ص ۱۴۳ وما بعد طبع دار الاشراق، لاہور، ۱۹۸۵ء

۲۳۔ اصلاحی، تدبر قرآن، دیباچہ (جلد اول، ص ۱۳، ۱۴، ۳۰)، طبع ناران فاؤنڈیشن، لاہور

۲۴۔ الاحزاب ۳۳: ۳۶

۲۵۔ النساء ۴ : ۶۵

۲۶۔ محمد ۴۷ : ۳۳

۲۷۔ اور یہ بات خود قرآن سے بھی ثابت ہے۔ دیکھئے مثال کے طور پر البقرۃ ۲ : ۱۴۳، الانفال ۸ : ۷، الحشر ۵۹ : ۵، التحریم ۶۶ : ۳

۲۸۔ صحیح مسلم، کتاب الفضائل، حدیث نمبر ۱۳۳۷، (ج ۱۵، ص ۱۵۹) طبع مؤسسۃ قرطبہ

۲۱۔ سنن نسائی، کتاب الحج، حدیث نمبر ۲۶۲۰ (ج ۲، ص ۱) طبع المکتبہ السلفیہ، لاہور۔